اس تمام غزل میں معشوقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے۔

تصوف — بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندر چیست / کہ ہرچہ رفت بہر عہد در زمانۂ تست

یعنی یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ جام جہاں نما جمشید کے عہد میں تھا اور آئینہ سکندر کے عہد میں کیونکہ جو کچھ جس زمانے میں گذرا وہ تیرے ہی زمانے میں تھا۔

تصوف — ہم از احاطۂ تست اینکہ در جہان ما را / قدم بہ بتکدہ و سر بر آستانۂ تست

یعنی تو جو تمام عالم پر محیط ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ہیں تو بتکدہ میں۔ مگر ہمارا سر تیرے آستانے پر ہے

تصوف — سپہر را تو بتاراج ما گماشتہ / نہ ہرچہ دزد ز ما بُرد در خزانۂ تست؟

یعنی کیا یہ بات نہیں کہ جو کچھ لٹیرا ہم سے لوٹ کر لے گیا ہے وہ تیرے خزانے میں موجود ہے؟

تصوف — مرا چہ جرم گر اندیشہ آسماں پیماست / نہ تیز گامیِ توسن ز تازیانۂ تست؟

اس شعر میں ضمناً اپنے خیال کی بلند پروازی کا اظہار ہے۔ اور اصل مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ یعنی اگر میرا خیال اپنی حد سے تجاوز کرکے عالمِ بالا کے اسرار و غوامض میں دخل دیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ تیرے تازیانے نے گھوڑے کو تیز رفتار کر دیا ہے۔

شباب ہذا! چہ ناقدردانیِ ہستی ست / بلا بجانِ جوانانِ پارسا ریزد

تصوف — آخرِ منزلِ نخست خوی تو راہ میزند / اولِ منزلِ دگر بوی تو زاد میدہد

یعنی سالک جب تیری راہ میں قدم رکھتا ہے اور پہلی منزل قریبِ ختم ہونے کے ہوتی ہے تو سخت سخت مشکلات اور امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور دوسری منزل شروع ہوتی ہے تو لذتِ قرب حاصل ہونے لگتی ہے جو مثلِ زادِ راہ کے آگے بڑھنے کی

ہمت بندھواتی ہے۔

تصوف — اے کہ بدیدہ نم ز تست و بہ سینہ غم ز تست / تا ز رشِ غم کہ ہم ز تست خاطرِ شاد میدہد

تصوف — مستِ عطای خود کند ساقیِ ما نہ مستِ مے / دادہ ز یاد مے برد بسکہ زیادہ میدہد

یعنی ہمارا ساقی شراب سے مست نہیں کرتا بلکہ اپنی عطا و بخشش سے مست کرتا ہے چونکہ وہ ہر دفعہ پہلے سے زیادہ دیتا ہے اس لئے پہلا دیا ہوا بھول جاتے ہیں اُسکے احسان کے نشے پر شراب کا نشہ غالب نہیں آنے پاتا۔

اخلاق — دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غمِ نان شد / زراعتگاہِ دہقاں میشود چوں باغ ویراں شد

یہ مضمون مرزا کے حسبِ حال ہے اور عموماً مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے اوّل عیش و عشرت اور پھر نون تیل لکڑی کی فکر۔ زراعت اور باغ کی مثال کس قدر مثل کے مطابق واقع ہوئی ہے۔

زہ گرم است ایں ہنگامہ۔ بنگر شورِ ہستی را / قیامت می دمد از پردۂ خاکے کہ انساں شد

یعنی جو کچھ دنیا میں فتنے اور فساد اور جنگ و جدال اور شور و غوغا ہے وہ انسان ہی کے دم سے ہے اگر حضرتِ انسان نہوتے تو تمام عالم میں سناٹا ہوتا۔

قضا از ذوقِ معنی شیرہ میریخت در جا نہا / نے از لائے پالایش چکید و آبِ حیواں شد

لائے بالاصافی کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

جلوہ اے داغ کہ ذوقم ز نمک مے خیزد / مژدہ اے درد کہ نشترم ز دوا مے آید

یعنی اے داغ اب تیرے ظاہر ہونے کا وقت آگیا کیونکہ نمک جو تیرے طول پکڑنے اور ترقی

پانے کا باعث ہے مجھے اُسمیں مزا آنے لگا ہے اور اے درد تیری بن آئی ہے کیونکہ مجھے دوا سے ننگ آنے لگا ہے۔

ہمچو رازے کہ بہ مستی ز دل آید بیروں ۔۔۔ در بہاراں ہمہ بویت ز صبا مے آید

اِس شعر میں معشوقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے اور اِس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَہْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَہَا۔

خوش است آنکہ با خویش جز غم ندارد ۔۔۔ ولے خوشتر ست آنکہ ایں ہم ندارد

سرابے کہ رخشد بویرانہ۔ خوشتر ۔۔۔ ز چشمیکہ پیرایۂ نم دارد

یعنی وہ سراب جو صحرا میں چمکے اُس آنکھ سے بہتر ہے جو تر نہیں ہے۔

سخن نیست در لطفِ ایں قطعہ غالبؔ ۔۔۔ بہشتے بود ہند کا دم ندارد

قطعہ سے مراد قطعۂ زمین ہے۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند ۔۔۔ شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

رخ کشودند و لبِ ہرزہ سرایم بستند ۔۔۔ دل ربودند و دو چشمِ نگرانم دادند

سوخت آتشکدہ۔ ز آتش نفسم بخشیدند ۔۔۔ ریخت بتخانہ ز ناقوس فغانم دادند

گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند ۔۔۔ بعوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند

افسر از تارکِ ترکانِ پشنگی بردند ۔۔۔ بہ سخن ناصیۂ فرِ کیانم دادند

گوہر از تاج گسستند و بدانش بستند ۔۔۔ ہرچہ بردند بہ پیدا بہ نہانم دادند

ہرچہ در جزیہ ز گبراں مئے ناب آوردند ۔۔۔ بشبِ جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

ہرچہ از دستگہِ پارس بہ یغما بردند ۔۔۔ تا بنالم ہم ازاں جملہ زبانم دادند

اخیر کے چھہ شعروں میں اِس بات کا بیان ہے کہ قضا و قدر نے جو کچھ عرب کی فتوحات کے وقت عجم سے چھینا اُسکے عوض میں مجھکو۔ کہ میں بھی عجمی الاصل ہوں۔ کچھ نہ کچھ دیا۔ جب آتشکدہ جل کر راکھ ہوگیا تو مجھے آتش کی جگہ نفس یعنی زبان دی۔ اور جب بتخانہ گر گیا تو مجھے ناقوس کی جگہ آہ و فغاں دی۔ شاہانِ عجم کے جھنڈوں سے موتی اُتار لئے اور اُسکے عوض میں مجھے خامۂ گنجینہ فشاں عنایت کیا۔ اِسی طرح ترکوں کے سر سے تاج لوٹ لیا اور مجھکو شاعری میں اقبالِ کیانی مرحمت فرمایا۔ پھر کہتا ہے کہ موتی تاج میں سے تو توڑ لئے اور علم و دانش میں جڑ دئے یعنی جو کچھ علی الاعلان لوٹا تھا وہ مجھے چپکے سے دیدیا۔ اور آتش پرستوں سے جو شراب جزیے میں لی وہ ماہ رمضان کی شب جمعہ کو مجھے پلائی۔ خلاصہ یہ کہ پارس کی جو کچھ پونجی لوٹی تھی اُسمیں سے زبان مجھکو فریاد کرنے کے لئے دیدی۔

خوباں نہ آں کنند کہ کس از زیاں رسد ۔۔۔ دل بُرد۔ تا دگر چہ ازاں دلستاں رسد

یعنی دل لیا ہے تو ضرور اُسکے عوض میں کچھ اُس سے وصول ہوگا؛ کیونکہ اچھے لوگ ایسا کام نہیں کرتے کہ کسی کو نقصان پہنچے۔

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست ۔۔۔ ہر جا کنیم سجدہ۔ بداں آستاں رسد

گم شد نشانِ من چو رسیدم بہ کنجِ دیر ۔۔۔ مانندِ آں صدا کہ بگوشِ گراں رسد

شعرائے متصوفین دیر و خرابات و میکدے سے اکثر خانقاہ یا وہ مقام جہاں فقر و فنا کی تعلیم ہوتی ہے مراد لیتے ہیں۔ اپنا نشان دیر میں پہنچکر گم ہوجانے سے مراد فنا ہے۔ اِسکی تشبیہ اُس صدا سے جو

بھرے آدمی کے کان تک پہنچکر گم ہو جاتی ہے کس قدر بلیغ تشبیہ ہے۔

اعزاز نفس

در دام بہرِ دانہ نیفتم مگر قفس — چنداں کنی بلند کہ تا آشیاں رسد

اپنے اعزازِ نفس کا اظہار ہے۔ یعنی اگر عزت کے ساتھ قید کرو تو مجھے قید ہونے سے کچھ انکار نہیں ہے۔ پس یہ امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آپھسونگا؛ نہیں۔ بلکہ قفس کو اتنا اونچا کرو کہ میرے گھونسلے تک پہونچ جائے؛ میں قفس میں فوراً چلا آؤنگا۔

عاشقانہ

تیر نخست را غلط انداز گفتہ ام — اے واے گر نہ تیرِ دگر بر نشاں رسد

غلط انداز اُس تیر کو کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے چونکہ عشاق معشوق کے تیر کے مشتاق ہوتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اُسکا آ کر لگا ہے مگر میں اُسکو اپنی نحوستِ طالع کے خیال سے غلط انداز سمجھتا ہوں۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اُسی جگہ آ کر لگا تو میں سمجھونگا کہ پہلا بھی ارادے سے لگایا گیا تھا ورنہ میرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت تھا صحیح ہو جائیگا اور امید بالکل باقی نہ رہے گی۔

امید غلبہ نیست بکیشِ مغاں درآے — مے گر بہ جزیہ دست ندادِ ارمغاں رسد

یعنی اگر پارسیوں پر غلبہ اور حکومت حاصل ہونے کی اُمید نہیں ہے تو انکا مذہب اختیار کر لے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر شراب جزیہ میں نہ آویگی تو ہدیہ اور سوغات میں ضرور آویگی۔ اس شعر میں گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آتش پرستوں پر غلبہ و استیلا حاصل کرنے کی علت غائی یہی ہے کہ جزیے میں شراب آیا کرے۔ پس جب غلبہ کی اُمید نہو تو لاچار کیشِ مغاں اختیار کرنا چاہئے تاکہ اگر جزیے میں نہیں تو ہدیہ و ارمغاں ہی میں شراب وصول ہوا کرے۔

عاشقانہ

جاں بر سرِ مکتوبِ تو از شوق فشاندن — از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد

دردناک

آں کشتی بشکستہ ز موجم کہ تباہی — افگند در آتش گر از آبم بدر آورد

جب کشتی موج کے تھپیڑوں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اُسکے تختوں کو پانی سے نکال کر آگ میں ایندھن کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے تئیں کہتا ہے کہ میری مثال بھی اُسی کشتی کی سی ہے کہ ڈوبنے سے بچا تو آگ میں جھونکا گیا۔

تصوف

گر جلوۂ رخ تو بہ ساغر ندیدہ ایم — چندیں بذوقِ بادہ دل از جا چہ میرود

غالب دگر مپرس کہ برما چہ میرود — ہفت آسیا بگردش و ما درمیاں او

دنیا

محو آسودگی مگر و براہی کاندریں وادی — چو خار از پا برآمد۔ پا ز داماں برنمی آید

یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے مخمصوں سے نجات نہیں پا سکتا اگر کانٹا پاؤں سے نکل گیا تو پاؤں دامن میں اُلجھے گا۔

برآر از بزمِ بحث اے جذبۂ توفیق غالب را — کہ ترکِ سادۂ ما با فقیہاں بر نمے آید

ترکِ سادۂ ما یعنی غالب جو کہ ایک بھولا بھالا ترک ہے۔ یہ ایسی ترکیب ہے جیسے موسائے من اور فرہادِ من یعنی خود میں۔ با فقیہاں بر نمی آید یعنی مولویوں کی دلیلوں اور حجتوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ باکسے برنیامدن کے معنی ہیں اُس سے سر نہ ہو اور عہدہ برآ نہونا۔

تصوف

چشم و دل باختہ ام داد ہنر خواہد داد — آنکہ چوں من ہمہ داں ہمہ بیں تو شود

یعنی چونکہ میرے دل نے تجھکو جانا ہے جیسا کہ تو ہے اور میری آنکھ نے تجھکو دیکھا ہے جیسا کہ تو ہے اس لئے دل اور آنکھ دونوں کو کھو بیٹھا ہوں۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دیگا جو میری طرح تیرا ہمہ داں اور ہمہ بیں ہوگا۔

کفر و دیں چیست جز آلایشِ پندارِ وجود — پاک شو پاک کہ ہم کفر تو دین تو شود

رفتہ بودی وگر از جا بہ سخن سازیِ غیر — منت از بخت کہ خاموشیِ ما یاد آمد

یعنی تو نے رقیب کی سخن سازی سے پھر دھوکا کھایا تھا، مگر شکر ہے کہ اُسکی سخن سازی دیکھکر ہماری خاموشی تجھکو یاد آگئی۔ جس سے تجھکو یہ خیال ہوا ہوگا کہ سچے عاشق مُنہ سے کچھ نہیں کہا کرتے.

دوش کز گردشِ بختم گلہ بر روی تو بود — چشم سوئے فلک و روی سخن سوی تو بود

یعنی نصیب کی گردش کا شکوہ کرتے وقت آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھسے کر رہا تھا ایک خاص حالت کی تصویر بہت عمدہ لفظوں میں کھینچی ہے.

دوست دارم گرہے را کہ بکارم زدہ اند — کایں ہما نست کہ پیوستہ در ابروی تو بود

گر چنیں ناز تو آمادۂ یغما ماند — بہ سکندر نرسد ہر چہ ز دارا ماند

معشوق حقیقی کی طرف خطاب ہے۔ سکندر سے مراد پادشاہ فاتح، اور دارا سے پادشاہِ مفتوح

ہم بسودائے تو خورشید پرستم آرے — دل ز مجنوں بَرد آہو کہ بہ لیلا ماند

یعنی اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ بھی درحقیقت تیری ہی پرستش ہے، جیسے مجنوں ہرن پر اس لئے فریفتہ تھا کہ اُنکی آنکھیں لیلے سے مشابہ تھیں.

شکوۂ دوست ز دشمن نتوانم پوشید — گر غمِ ہجر چنیں حوصلہ فرسا ماند

یعنی اگر جدائی کا غم اسی طرح بے صبر کرنے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جا سکیگا یہاں تک کہ اسکو دشمنوں سے بھی نہ چھپا سکونگا.

در بغل دشنہ نہاں ساختہ غالب امروز — مگذارید کہ با ماتم زدہ تنہا ماند

بستند رہ جرعۂ آبے بسکندر — دریوزہ گرِ میکدہ صہبا بکدو بُرد

یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور میکدے کا فقیر شراب جیسی نایاب چیز کا تونبا بھر کرلے گیا مطلب یہ کہ پادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو میکدے یعنی خانقاہ کے ادنے گداؤں کو نصیب ہے.

یک گریہ پس از ضبطِ دو صد گریہ رضا دہ — تا تلخی آں زہر توانم بہ گلو بُرد

یعنی جب دو سو دفعہ رونے کو ضبط کروں تو ایک دفعہ تو رونے کی اجازت دے تاکہ اُس ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دفعہ روکر حلق سے دور کروں.

ز جوشِ شکوۂ بیدادِ دوست می ترسم — مباد مُہرِ سکوت از دہن فرو ریزد

ایک معقول بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کرتا ہے مطلب تو یہ ہے کہ اُسکے شکوے سے اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ شاید اُسکو ضبط نہ کرسکوں مگر اُسکو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اُسکی بیداد کا شکوہ دل سے اِس جوش کے ساتھ اُبلا ہے کہ مُنھ پر جو مُہرِ سکوت لگی ہوئی ہے کہیں اُسکے ریلے میں بہ نہ جائے.

بُریدہ ام رہِ دورے کہ گر بیفشانم — بجاے گرد رواں از بدن فرو ریزد

یعنی میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے جھڑ جائے۔ یہ تمثیل ہے اُس محنت و مشقت کی جو فکرِ شعر اور تکمیلِ فنِ سخن میں اٹھانے کی ہے.

مکن بہ پرسشم از شکوہ منع کایں خونیست — کہ خود ز زخمِ دمِ دوختن فرو ریزد

عجیب و غریب تشبیہ اور نہایت عمدہ خیال ہے اور نرا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے۔ قاعدہ ہے

کہ جب معشوق مہربان ہوکر عاشق کی پرسشِ حال کرتا ہے تو اُسوقت عاشقِ مہجور کا دل بھر آتا ہے، اور وہ شکایت کرنی شروع کرتا ہے. پس کہتا ہے کہ تو میری پرسشِ حال کے وقت شکایت سے مجھکو منع نہ کر، کیونکہ تو جو پرسش حال کرتا ہے تو گویا میرے زخم میں ٹانکے لگاتا ہے، اور ٹانکے لگاتے وقت کسی قدر خون کا ٹپکنا ضروری ہے. پس یہ شکایت وہ خون ہے جو زخم کے سیتے وقت ٹپکا کرتا ہے.

اگر بدل نہ خلد ہر چہ از نظر گذرد　　　زہے روانیِ عمرے کہ در سفر گذرد

یعنی عمر کا سفر میں گذرنا نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ سفر میں جو کچھ نظر سے گذرے اُسپر انسان فریفتہ نہ ہوجایا کرے.

بوصل لطف باندازۂ تحمّل کن　　　کہ مرگِ تشنہ بود آب چوں زسر گذرد

کہتا ہے کہ وصل کی حالت میں مہربانی اِس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اُسکی خوشی کا تحمّل نہ کرسکوں اور خوشی کے مارے مرجاؤں، کیونکہ پیاسے کے لئے وہ پانی موت ہے جو سر سے گذر جاے.

ہر کجا دشنۂ شوقِ تو جراحت بارد　　　جز خراشے بہ جگر گوشۂ ادہم نرسد
طوبیِ فیضِ تو ہر جا گل و بار افشاند　　　جز نسیمے بہ پرستش گہِ مریم نرسد.

جگر گوشۂ ادہم یعنی ابراہیم بن ادہم. کو اُن زخموں میں سے جو تیرے شوق کی چھری برساتی ہے ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچی. اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے طوبیٰ سے جھڑتے ہیں اُنمیں سے صرف ایک ہوا کا جھونکا محرابِ مریم تک پہنچا ہے.

مے بہ تُرکانِ دکن عرض کہ ایں جوہرِ ناب　　　پیشِ ایں قوم بہ شوربائے زمزم نرسد

خواجہ فردوس بہ میراث تمنّا دارد　　　واے گر در روش نسل بہ آدم نرسد

خواجہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر بولتے ہیں جیسے طنز کے موقع پر اُردو میں تیسرے شخص کے لئے آپ یا حضرت بولتے ہیں. کہتا ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے طلبگار ہیں. بڑا مزا ہو اگر آپ کا سلسلۂ نسب آدم تک نہ پہنچے. یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مرزا کو یہ احتمال ڈارون کی تھیوری کے موافق سُوجھا ہوگا، شاید اُنکا یہ مطلب ہے کہ آپکے اخلاق و عادات انسانیت سے اِس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے نہوں.

جاں در غمت فشاندن مرگ از قفا ندارد　　　تن در بلا فگندن بیم بلا ندارد
چوں لعلِ تست غنچہ اما سخن نداند　　　چوں چشمِ تست نرگس اما حیا ندارد
فارغ کسیکہ دل را با درد وا گزارد　　　کشتِ جہاں سراسر دارد گیا ندارد
با دیرزمے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند　　　آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند
کو فنا تا ہمہ آلایشِ پندار برد　　　از صُوَر جلوہ و از آئینہ زنگار برد
عشوۂ مرحمتِ چرخ مخر کایں عیار　　　یوسف از چاہ برآرد کہ ببازار برد

عشوہ خریدن دھوکا کھانا اور فریب میں آجانا یعنی آسمان کی مہربانی کے دھوکے میں نہ آنا کہ یہ عیار یوسف کو چاہ سے اِس لئے نکالتا ہے کہ بازار میں لیجا کر بکوائے.

ہر نسیمے راہ شامے در خور است　　　بوے پیراہن بہ کنعاں می رود
جوہرِ طبعم درخشانست لیک　　　روزِ رزم اندر ابر پنہاں می رود
نومیدیِ ما گردشِ ایّام ندارد　　　روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

بلبل بچمن بسنگر و پروانہ بمحفل　　شوق ست کہ در وصل ہم آرام ندارد

یعنی شوق کو وصل میں بھی آرام نصیب نہیں، اسی لئے نہ بلبل کو چمن میں آرام ہے۔ اور نہ پروانے کو شمع کی موجودگی میں قرار ہے۔

چہ خیزد از سخنے کز درونِ جاں نبود　　بُرِیدہ باد زبانے کہ خونچکاں نبود

کہتا ہے کہ جو بات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ اثر نہیں کرتی۔ بس کٹیو وہ زبان جو خونچکاں یعنی دردِ دل سے بھری ہوئی نہو۔

حکیم ساقی و مے تند۔ و من ز بدخوئی　　ز رطلِ بادہ بخشم آیم ار گراں نبود

حکیم سے مراد خدا ہے کہتا ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب یعنی دولتِ دنیا نہایت تند ہے مگر میں اپنی بدخوئی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو غصے ہوتا ہوں۔

ز خویش رفتہ ام و فرصتے طمع دارم　　کہ باز گردم و جز دوست ارمغاں نبود

قاعدہ ہے کہ جب آدمی کہیں سفر کو جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات و ہدیہ و ارمغاں لیکر وطن میں واپس آتا ہے کہتا ہے کہ میں اپنے آپے سے تو جا چکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس پھر کر اپنے آپے میں آؤں تو دوست یعنی حق کے سوا کوئی سوغات لیکر نہ آؤں۔

زمامِ ناقہ بدستِ تصرفِ شوق ست　　بسوے قیس گرایش ز ساربان نبود

یعنی لیلی کا ناقہ جو قیس کی طرف چلا ہے یہ ساربان کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اسوقت اسکی باگ تصرف شوق قیس کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر چاہتا ہے لیجاتا ہے۔

بتانِ شہر ستم پیشہ شہریار انند　　کہ در ستم روش آموزِ روزگار نہند

برند دل بادائے کہ کس گماں نبرد　　فغاں ز پردہ نشیناں کہ پردہ دار انند

نہ زرع و کشت شناسند نے حدیقہ و باغ　　ز بہر بادہ ہوا خواہِ باد و باراںند

یعنی ہوا اور مینہ کچھ اس لئے نہیں چاہتے کہ اُس سے کھیتیاں اور باغ سرسبز و شاداب ہونگے بلکہ صرف اسلئے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باراں کے نہیں آئیگا۔

یہ مضمون مرزا کو کہیں سے تلاش کرنا نہیں پڑا، بلکہ یہ خاص اُنکی طبیعت کا اقتضا تھا جس مکان میں مرزا رہتے تھے اُسکے دروازے پر ایک کمرہ تھا، اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ تھا جسکے نیچے رستہ چلتا تھا۔ یہ برآمدہ گذرگاہ سے تقریباً چار گز اونچا ہوگا۔ ایک روز مینہ برس رہا تھا اور مرزا صاحب برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابر و باراں کی مدارات میں مصروف تھے۔ اُس وقت عالم سرخوشی میں فرمانے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا برسے کہ گلی کی رو کا پانی برآمدے تک آجائے اور میں یہیں بیٹھا بیٹھا گلاس بھر بھر کر پانی پیوں۔ کسی نے کہا حضرت! برآمدے تک پانی آگیا تو شہر پہلے ڈوب جائیگا۔ مرزا ہنسکر چپکے ہو رہے۔

چہ لطفِ رہروی آنرا کہ خار خاری نیست　　مرو بکعبہ اگر راہ ایمنی دارد

خار خار خلجان۔ کہتا ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ بس اگر کعبہ کی راہ پُر امن ہے تو کعبے جانا نہیں چاہئے۔ فی الحقیقۃ جو لوگ نہایت کٹھن منزلیں طے کرکے مقامِ مقصود تک پہنچتے تھے۔ جو خوشی اُنکو منزل پر پہنچنے سے ہوتی ہوگی اُسکا سواں حصہ بھی اُن لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا جو ریل اور اسٹیمر میں آج کل سفر کرتے ہیں۔

بیاور یہ گر ایں جا بود زبان دانے　　غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

حد سے زیادہ بلیغ شعر ہے۔ اگرچہ مضمون عام ہے مگر خود شاعر کے حال پر خوب چسپاں ہوتا ہے اور اُسنے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے۔ جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اُسکی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترجماں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر۔ کچھ تو اس لئے کہ کسی کو اپنا قدر دان اور پایہ شناس نہیں پاتا، اور کچھ اِس لئے کہ اپنے نازک اور باریک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اپنے تئیں غریبِ شہر یعنی شہر میں بالکل اجنبی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترجمان کو بلاؤ کہ اجنبی مسافر کچھ باتیں۔ جو کہنے ہی کے لائق ہیں کہنی چاہتا ہے۔

بیشم ازاں بپرس کہ پرسی وا ہلِ کوے — گویند خستہ زحمتِ خود زیں دیار برد

نازم فریبِ صلح کہ غالب زکوے تو — ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

ہر کرا رخت نمازے بنود از نمے — جاے در حلقۂ رندانِ قدح نوش مباد

جامہ یا رخت کا نمازی ہونا اُسکے آلودہ ہونے کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

مُغتیاں! بادہ عزیزیست۔ مریزید بخاک — جوشد از پردہ دگر خونِ سیاوش۔ مباد

دوسرے مصرع کی تقدیر عبارت یوں ہے "مباد اخونِ سیاوش۔ دیگر از پردہ بجوشد۔ سیاوش کا قصہ مشہور ہے کہ وہ بیگناہ اپنے سسرے افراسیاب کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اور اُسکے خون کے وبال میں تمام ملک کشت و خون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے کہ اے مغتیو! شراب بھی بڑی عزیز چیز ہے، اُسکو زمین پر مت گراؤ، ایسا نہو کہ خونِ سیاوش پھر جوش مارے۔

از رشک کرد آنچہ بمن روزگار کرد — در خستگی نشاطِ مرا دید۔ خوار کرد

یہ غزل غالباً اُس زمانے میں لکھی گئی ہے جب مرزا عدالت کے مواخذے میں پھنس گئے تھے۔ یعنی

زمانے نے جب مجھکو دیکھا کہ خستگی اور تکلیف میں بھی خوش ہے تو مجھے ذلیل و خوار کر دیا کہ اب خوش نرہیگا۔

در دل ہمی زبینش من کینہ داشت چرخ — چوں دیدکاں نماند نہاں۔ آشکار کرد

یعنی میری دانش و بینش کے سبب مجھسے آسمان پوشیدہ کینہ تو رکھتا ہی تھا، اب جو دیکھا کہ وہ کینہ لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہے تو آسمان کھُل کھیلا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا۔

لنگر گسست و سر بکشتی شکست موج — دانا خورد دریغ کہ ناداں چہ کار کرد

یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ قضا و قدر کے حکم سے۔

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ بکفر — نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

ماحصل شعر کا یہ ہے کہ در حقیقت میں ہوں تو ناامید مگر چونکہ تجھسے ناامید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے راضی نہیں اِس لئے مجبوراً اپنے تئیں امیدوار بنایا ہے۔

بشرع آویز و حق میجو۔ زمجنوں کم نۂ بارے — دلش با محمل است۔ اما زباں با ساربان دارد

یعنی شرع سے بھی تعلق رکھ اور خدا کو بھی ڈھونڈھ، آخر تو مجنوں سے تو کم نہیں ہے کہ اُسکا دل تو محمل لیلیٰ میں اٹکا ہوا ہے، مگر زبان کو ساربان سے سروکار ہے۔ یعنی ساربان سے باتیں کر رہا ہے اور دل لیلیٰ سے لگا ہوا ہے۔ شرع کو ساربان سے اور حق کو محمل سے تمثیل دی ہے اور یہ نہایت بلیغ تمثیل ہے اور شعر نوادرِ افکار سے ہے۔

خدارا وقتِ پرسش نیست گفتم۔ بگذر از غالب — کہ ہم جان بر لب و ہم داستاں بر زباں دارد

گفتم یعنی میں نے کہدیا ہے، یا میں کہے دیتا ہوں۔ کہ یہ پرسش کا وقت نہیں ہے، تو غالب کے حال سے درگذر اور پرسش کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اُسکی جان لبوں پر ہے اور داستان زبان پر

مبادا وہ اپنی دردانگیز داستان بیان کرے اور داستان کے ساتھ ہی اُسکی جان بھی نکل جائے۔

گویند صنعان توبہ کرد از کفر۔ نادان بندۂ
کز خود فروشیہای دین بخشش یزدان خوش نکرد

صنعان کا قصہ مشہور ہے جو پہلے عابد تھا پھر فسق وفجور میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ کفر تک نوبت پہنچ گئی پھر متنبہ ہوا اور کفر سے توبہ کی۔ کہتا ہے کہ صنعان کا کفر سے توبہ کرنا مشہور ہے۔ وہ عجب نادان بندہ ہے جسنے دین کی خود فروشی کے سبب خدا کی بخشش کو پسند نہ کیا یعنی خدا کی خالص بخشش تو وہ تھی کہ وہ توبہ نکرتا، اور کفر ہی پر مرتا، اور پھر خدا اُسکو بخش دیتا، اور اب جو وہ بخشا جائیگا تو یہ بخشش دین کی قیمت ہوگی پس گویا اُسنے دین کی خود فروشی کے بھروسے پر خدا کی خالص بخشش کو پسند نہ کیا۔ خوش کردن کے معنی ہیں پسند کرنا۔

آں خود بہ بازی مے بَرد۔ دینٔ دو خوبی نشمرد
بنمودش دین خندہ زد۔ آورد شش جاں۔ خوش نکرد

بامن میاویز اے پدر فرزندِ آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نکرد

میاویز یعنی مجھسے جھگڑا مت کر۔ فرزند آذر ابراہیم علیہ السلام۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔ یہ نرا مضمون ہی نہیں ہے بلکہ مرزا کے حسب حال بھی ہے؛ کیونکہ جہاں تک ہمکو معلوم ہے۔ مرزا کے والد سنی المذہب اور خود مرزا اثنا عشری تھے۔

در ستم حق ناشناسش گفتن از انصاف نیست
آں کہ چندیں تکیہ بر حلم خداوندش بود

کہتا ہے کہ اُس ظالم کو حق ناشناس کہنا انصاف نہیں ہے جسکو خدا کے حلم پر اسقدر بھروسا ہے کہ اُسکے بھروسے پر ظلم کئے چلا جاتا ہے؛ اور اُسکے مواخذے سے نہیں ڈرتا۔

با خرد گفتم نشانِ اہلِ معنی باز گوے
گفت گفتارے کہ با کردار پیوندش بود

بہرِ خواری بسکہ سرگرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ہر دورباشم کردہ اند

دورباش۔ ہٹو بچو کی آواز کو کہتے ہیں۔ جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے نقیب پکارتے چلتے ہیں۔ کہتا ہے کہ مجھکو جو قضا و قدر نے سرگرم تلاش کیا ہے اُس سے مقصود میرا خوار و ذلیل کرنا ہے۔ پس راہِ تلاش میں جو دھکا مجھپر پڑتی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خواری زیادہ ہوتی ہے؛ اور اِس طرح جو امر میرے سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے۔ پس گویا ہر دورباش پر میں کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔

چرخ ہر روزم غمِ فردا بخوردن میدہد
تا قیامت فارغ از فکرِ معاشم کردہ اند

از چہ غالب خواجگیہای جہاں ننگ منست
گر نہ با سلمان و بوذر خواجہ تاشم کردہ اند

بخشم نا سزا میگوید واز لطفِ گفتارش
گماں دارم کہ حرفِ دلنشینی بعد ازیں گوید

لطفِ گفتار کی تعریف اس سے بہتر کسی پیرائے میں نہیں ہو سکتی۔ کہتا ہے کہ معشوق غصے میں برابر مجھکو بُرا بھلا کہتا ہے؛ مگر اُسکے لطفِ کلام سے میں ہمیشہ اِسی امید میں رہتا ہوں کہ اب کوئی اچھی بات کہتا ہے، اب کوئی مہربانی کا کلمہ اُسکی زبان سے نکلتا ہے۔

دل از پہلو بروں آرم جمشن جامِ خود انگارد
وگر لختے بر افشانم سلیمانش نگیں گوید

اپنے دل پر فخر کرتا ہے کہ اگر اُسکو پہلو سے نکالکر دکھاؤں تو جمشید اُسکو اپنا جام جہاں بیں سمجھے؛ اور اگر اُسکا ایک لختہ نکالکر ڈالدوں تو سلیمان اُسکو خاتمِ سلیمانی کا نگیں بتائے۔

من بہ وفا مُردم و رقیب بدر زد
نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

بدر زد یعنی نکل بھاگا۔ تبرزد۔ مصری۔ کہتا ہے کہ میں تو نباہ کرتا کرتا مرگیا اور رقیب نکل بھاگا۔ گویا

معشوق کا آدھا لب شہد تھا کہ میں اسمیں پھنس کر رہ گیا، اور آدھا مصری تھا کہ رقیب اسپر اُڑ گیا۔

دعوےٰ اور ا بود دلیل بدیہی   خندۂ دنداں نما بحسنِ گُہر زد

کتنے بڑے خیال کو کن مختصر لفظوں میں اور پھر کس صفائی اور خوبی سے ادا کیا ہے۔ کہتا ہے کہ معشوق موتی پر اس طرح ہنسا کہ اُسکے دانت نظر آنے لگے پس اُسکا خندہ گویا اس بات کا دعوےٰ ہے کہ موتی کی کچھ حقیقت میرے دانتوں کے سامنے نہیں، اور اس دعوے کی دلیل اُسکا خندۂ دنداں نما ہے، کیونکہ اُسکے دانتوں کا سب پر ظاہر ہو جانا یہی اس بات کی دلیل ہے کہ موتی اُسکے دانتوں کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے پس اُسکے دعوے کی دلیل نہایت بدیہی اور ظاہر ہے۔

نہم جبیں بدرش آستاں بگرداند   نشنیمش بہ سرِ رہ عناں بگرداند

آستاں بگرداند یعنی چوکھٹ کے پتھر کو اُلٹ کر اوپر کا رُخ نیچے اور نیچے کا رُخ اوپر کر دیتا ہے۔

تو نالی از خلشِ خار و منکری کہ سپہر   سرِ حسینؑ علیؑ بر سناں بگرداند

برو۔ بشادی و اندوہ دل منہ۔ کہ قضا   چو قرعہ بر بنطِ امتحاں بگرداند

یزید را بہ بساطِ خلیفہ بنشاند   کلیم را بلباسِ شباں بگرداند

تیغت ز فرق تا بہ گلویم رسیدہ باد   شوخی ز حد گذشت زبانم بریدہ باد

اوّل یہ آرزو کرتا ہے کہ تیری تلوار میرے سر پر پڑے اور حلق تک آتر جائے۔ پھر یہ سمجھکر کہ یہ مرتبہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ کہتا ہے کہ گستاخی حد سے گذر گئی میری زبان قلم ہو جیو۔

گر رفتہ ام ز کوے تو آساں نرفتہ ام   ایں قصہ از زبانِ عزیزاں شنیدہ باد

ذوقیست ہمدمی تفغاں۔ بگذرم زرشک   خارِ رہت بپاے عزیزاں خلیدہ باد

یعنی اگرچہ تیرے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں، مگر چونکہ کئی آدمیوں کے ملکر نالہ و فریاد کرنے میں عجب لطف ہے اس لئے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ "خارِ رہت بپاے عزیزاں خلیدہ باد"

در تیغ زدن منت بسیار نہادند   بُردند سر از دوش و سبکدوش نکردند

یعنی تلوار سے سر اُتار کر بھی معشوق نے سبکدوش نہ کیا پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ ہے کہ اپنی تلوار سے یہ بے قدر سر اُتارا ہے۔

روزیکہ بہ مے زور و بہ نے شور نہفتند   اندیشہ بکارِ خرد و ہوش نکردند

یعنی شراب کا نشہ اور نے کی آواز کا درد۔ دونو عقل و ہوش کے دشمن ہیں۔ پس جب کارکنانِ قضا و قدر نے شراب میں زور اور نے میں شور ودیعت کیا تھا اُس وقت عقل و ہوش کے انجام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

تاجرِ شوق بداں رہ بتجارت نرود   کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نرود

یعنی شوقِ الٰہی کا تاجر اس رستے نہیں چلتا کہ جو رستہ چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اُس رستے میں سرمایہ لُوٹا نہ جائے۔

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد   محرم آنست کہ رہ جز باشارت نرود

کہتا ہے کہ ہر نکتہ یعنی کائنات کی ادنٰے سے ادنٰے چیز میں ایک ادا۔ یعنی ایک معنی یار از چھپا ہوا ہے۔ پس ہر چیز کی رمز کو سمجھنا چاہیئے، کیونکہ محرمِ راز وہی شخص ہے جو بغیر اُدھر کے اشارے کے ایک قدم نہیں اُٹھاتا۔ یعنی جو کچھ نیچر سکھاتی ہے اُسکے موافق عمل کرتا ہے۔ کھانے میں، پینے میں،